حضرت علی علیہ السلام کی تفسیری خدمات

تہمینہ بتول[۱] (پاکستان) ۔عبدالرؤف زاہد[۲]

اشاریہ:

حضرت علی علیہ السلام کا تفسیر قرآن مجید سے تعلق فہم سے کسی بھی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کتب تفاسیر میں حضرت علی علیہ السلام سے مروی روایات بکثرت موجود ہیں جس سے حضرت علی علیہ السلام کی تفسیری خدمات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید سے خصوصی لگاؤ اور تفسیری ذوق کی وجہ ہی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کوفے کا قاضی مقرر فرمایا۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول بہت سی تفسیری روایات کتب احادیث اور کتب تفسیر میں موجود ہیں۔ جبکہ نہج البلاغہ میں بھی حضرت علی علیہ السلام کے خطبات کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں تفسیر مشکلات اور قرآن مجید سے متعلقہ علوم وفنون کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر میں احادیث نبویہ کے بعد مستند ترین ماخذ اقوال صحابی ہے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کے تفسیر اقوال تفسیر قرآن میں بیش بہا قیمتی اضافہ ہیں جس کی ہر کام کرنے میں ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ اور موسیٰ ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرز کی روایات کو نقل کرتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کی تفسیر خدمات کو کتب تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے متعلق تفسیری روایات کی نسبت اور منسوب روایات کی تحقیق وتخریج از حد ضروری ہے تاکہ تفسیر قرآن میں ایسی روایات میسر آئیں جو محض صحیح، مستند اور معتبر ذرائع سے ثابت ہوں تاکہ عصری مسائل کے حل میں حضرت علی علیہ السلام کی تفسیر خدمات سے استفادہ حاصل کیا جاسکے۔

کلیدی الفاظ: نہج البلاغہ، معتبر، مستند، تحقیق وتخریج، منسوب

۱. (ایم فل علوم اسلامیہ، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان)

۲. ڈاکٹر عبدالرؤف زاہد، اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف لاہور

مقدمہ

علی بن ابی طالب امام علی وامیر المؤمنین کے نام سے مشہور، شیعوں کے پہلے امام، صحابی، راوی کاتب، وحی، اہل سنت کے چوتھے خلیفہ، رسول خدا کے چچازاد بھائی و داماد، حضرت فاطمہ کے شوہر اور گیارہ شیعہ آئمہ کے والد ماجد ہیں۔ حضرت ابو طالب آپ کے والد ماجد و فاطمہ بنت اسد والدہ ہیں۔ شیعہ و اکثر سنی مؤرخین کے مطابق آپ کی ولادت کعبہ کے اندر ہوئی۔ رسول اللہ نے جب اپنی نبوت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے آپ ایمان لے آئے۔ شیعوں کے مطابق آپ بحکم خدا رسول ﷺ کے بلا فصل جانشین ہیں۔

آپ علیہ السلام کے سلسلہ میں بہت زیادہ فضائل نقل ہوئے ہیں۔آنحضرت نے دعوت ذوالعشیرہ میں آپ کو اپنا وصی و جانشین معین کیا۔ شب ہجرت جب قریش رسول ﷺ خدا کو قتل کرنا چاہتے تھے،آپ نے ان کے بستر پر سو کر ان کی جان بچائی۔ اس طرح حضور ﷺ نے مخفیانہ طریقہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔ مدینہ میں جب مسلمانوں کے درمیان عقد اخوت قائم ہوا تو رسول خدا نے آپ علیہ السلام کو اپنا بھائی قرار دیا۔ شیعہ و سنی مفسرین کے مطابق قرآن مجید کی تقریباً ۳۰۰ آیات کریمہ آپ علیہ السلام کی فضیلت میں نازل ہوئی ہیں۔ (تاریخ بغداد، ج۶، ص۲۲۱) جن میں آیہ مباہلہ وآیہ تطہیر و بعض دیگر آیات آپ کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔

افراد و ملت کی ترقی کا راز قرآنی تعلیمات کی پیروی میں مضمر ہے قرآنی تعلیمات میں بنی نوع انسان کی فلاح و اصلاح کے تمام عناصر موجود ہیں یہ بات ایک حقیقی امر سے ثابت ہوتی ہے کہ قرآنی تعلیمات کی تعمیل قرآنی کے فہم و تدبر کے بعد ہی ممکن ہے۔ قرآن عزیز رشد و ہدایت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ قرآن کریم کا معجزانہ اسلوب بہت سی حکمتوں پر جامع ہے جب تک ان سے آگاہی حاصل نہ کی گئی تب تک اس کی پیروی کا کوئی امکان نہیں۔اس ضمن میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قرآنی الفاظ کے معنی و مطالب کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ علم تفسیر اسی سلسلہ میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ

(ص/۲۹)

"ہم نے بابرکت کتاب آپ ﷺ پر اُتاری تاکہ اُس کی آیات میں تدبر کریں"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (القمر/ ۲۲)

"ہم نے قرآن کو آسان بنا کر بھیجا ہے کوئی ہے اس سے نصیحت کرنے والا"۔

قرآن نے عربی اسلوب و انداز کے مطابق حقیقت و مجاز تصریح و کنایہ سبھی سے کام لیا ہے البتہ قرآن اپنی معجزانہ خصوصیات کی بناپر دیگر عربی کلام پر فائق ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے۔

رسول اکرم ﷺ قرآنی مصداق کے عین مطابق قرآن مجید کے اولین مفسر تھے۔ آپ ﷺ کے بعد آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفسیر کے اس گراں فریضہ کو سنبھالا اور تفسیر قرآن کیلئے زندگیاں وقف کیں۔ حضرت علی علیہ السلام دور خلافت میں باوجود مصروفیات کے قرآن مجید کی تفسیر کیلئے کوشاں اور مستعد رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تفسیری اقوال کیلئے حضرت علی علیہ السلام کو صحابہ کرام میں نمایاں اور ممتاز مقام حاصل تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کا شمار صحابہ کرام میں بطور مفسر و فقیہ کے تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کے مناقب و فضائل سے متعلق کتب احادیث، متون حدیث و شروحات حدیث و تاریخ میں ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی تفسیر خدمات کا جائزہ لیا جائے تاکہ تفسیری ادب میں مستند تفسیری روایات میسر ہوں۔ مسلمان علماء کے مطابق، امام علی علیہ السلام بہت سے علوم مبتکر اور سرچشمہ ہیں۔ ساتویں صدی ہجری کے اہل سنت عالم ابن ابی الحدید کا ماننا ہے کہ امام تمام فضائل کی بنیاد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فرقہ، ہر گروہ خود کو ان سے منتسب کرتا ہے۔ (ابن ابی الحدید، ۱: ۱۷) اسی طرح سے ابن ابی الحدید کا ماننا ہے کہ علم کلام، فقہ، تفسیر و قرائت

(ابن ابی الحدید، ا: ۱۹)، ادبیات عرب و فصاحت و بلاغت (ابن ابی الحدید، ا: ۲۴) جیسے علوم کا سر چشمہ آپ کی ذات ہے۔ (ابن ابی الحدید، ا: ۲۷ _ ۱۸) ابن ابی الحدید کے بقول محمد بن حنفیہؒ کے واسطہ سے تمام معتزلہ ان کے شاگرد ہیں اور اشاعرہ، امامیہ و زیدیہ کا معاملہ بھی ہے۔ (ابن ابی الحدید، ا: ۱۷) فقہ میں بھی احمد بن حنبل، مالک بن انس، شافعی و ابو حنیفہ بھی باواسطہ ان کے شاگرد ہیں۔ (ابن ابی الحدید، ۱۸: ا) قرائت میں بھی ان کے شاگرد ابو عبد الرحمٰن سلمی کے واسطہ سے قاریوں کی قرائت کی سند امام تک منتہی ہوتی ہے۔ (ابن ابی الحدید، ا: ۲۸ _ ۲۷) اور انہیں علم نحو کا واضع بھی مانتے ہے کیونکہ اس علم کے قواعد ان کے شاگرد ابوالاسود دوئلی نے دوسروں تک منتقل کئے ہیں۔ (ابن ابی الحدید، ا: ۲۰)

قرآن مجید اور حضرت علی علیہ السلام کی خدمات

اگر کوئی تاریخ اسلام پر صرف ایک سرسری سی نگاہ ڈالے تو اسے علی علیہ السلام اور قرآن مجید کے درمیان گہرے ربط کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کی جمع آوری سے لیکر اسکی تفسیر و تاویل تک اور اعراب گذرای سے لیکر آج کی رائج قرائت تک، ہر جگہ علی علیہ السلام کا نام ماہ کامل کی مانند روشن و منور نظر آتا ہے۔ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ قرآن کی جمع آوری سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی۔ مصحف قرآن کا پہلا جمع شدہ نسخہ ہے جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد امام نے جمع کیا گیا۔ (طباطبایی، ۱۳۷۶ش، ص ۱۱۳؛ السجستانی، ۱۴۰۵ق، ص ۱۶؛ سیوطی، ۱۴۱۶ق، ج ا، ص ۱۶۱) یہ مصحف اس وقت دسترسی میں نہیں ہے اور روایات کے مطابق، یہ امام علی کے ہاتھ سے لکھا ہوا نسخہ ہے جو سورتوں کی ترتیب نزول کے اعتبار سے مرتب ہوا ہے۔ بعض روایات کے مطابق، اس کے حاشیے میں آیات کے شان نزول و ناسخ و منسوخ کو ذکر کیا گیا ہے۔ (ایازی، مصحف امام علی علیہ السلام، ص ۱۷۷ _ ۱۷۸) شیعہ عقاید کے مطابق یہ مصحف ائمہ معصومین علیہم السلام کے پاس موجود تھا اور اب امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے پاس ہے۔ (عاملی، ص ۱۶۰)

ابوالعلا و الموفق، خطیب خوارزمی نے علی بن رباح سے نقل کیا ہے کہ

" پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو قران کی تالیف کا حکم دیا اور علی علیہ السلام نے بھی قرآن کو لکھا اور اس کی تالیف کی ۔ (مناقبات الابیطالب علیہ السلام ج ۲/ص ۴۱/) یہاں تک کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں

قرآن کی تالیف، اسلام میں سب سے پہلی تالیف ہے۔ (مناقبات الاابیطالب علیہ السلام ج/۲ص/۴۱) خود مولائے کائنات فرماتے ہیں کہ

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ اس کو آپ نے مجھے سکھایا اور لکھوایا اور میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور آپ نے اس کی تاویل و تفسیر و ناسخ و منسوخ مجھے بتایا" (اعیان الشیعہ ج/۱ص/۸۹ و معالم العلماء ص/۲)

مصحف علی علیہ السلام کے خصوصیات

الف) یہ مصحف آیات کی تاریخ نزول کے اعتبار سے لکھا گیا تھا۔

ب) اس میں آیات منسوخہ کو آیات ناسخہ سے پہلے رکھا گیا تھا۔

ج) بعض آیات کی تاویل و تفصیلات اس میں بیان کی گئی ہیں۔

د) بعض آیات کی وہ تفسیر اس میں موجود تھیں جو خداوند عالم کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔

ہ) آیات محکم و متشابہ کو اچھی طرح واضح کیا گیا تھا۔

و) موجودہ قرآن سے ایک بھی حرف کم نہیں تھا اور ایک حرف بھی زیادہ نہیں تھا۔

ز) تفسیر میں حق و باطل کے پیروان کے نام اس میں ذکر ہوئے تھے۔

ح) یہ مصحف پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے املاء اور حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ سے لکھا گیا تھا۔

ط) تفسیر میں ان مہاجرین و انصار کی نصیحتیں اور عیوب اس میں بیان کئے گئے تھے جن کا کردار اسلام پر منطبق نہیں تھا۔

مصحف علی علیہ السلام میں مذکورہ موارد کے علاوہ موجودہ قرآن سے کسی اور چیز کا فرق نہیں تھا۔

حضرت علی علیہ السلام اسلام کی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد قرآن کو جمع کیا۔ روایات کے مطابق آپ نے آنحضرت صلیّ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خانہ نشینی اختیار کر کے فقط چھ مہینہ میں اس کام کو مکمل کر ڈالا۔ (بحارالانوار، ج ۲۳، ص ۲۴۹)

ابن ندیم کے مطابق: پہلا قرآن جسے جمع کیا گیا وہ (حضرت) علی علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن تھا۔ یہ قرآن آل جعفر کے پاس ہمیشہ رہا۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے

''میں نے ایک قرآن ابو یعلی حمزہ حسنی کے پاس دیکھا جو (حضرت) علی علیہ السلام کے دست مبارک سے لکھا گیا تھا۔ اس قرآن کے بعض صفحات غائب ہو چکے تھے۔ اسے (امام) حسن ابن علی علیہ السلام کی اولاد نے میراث میں حاصل کیا تھا۔ (الفہرست، ص ۴۸/۴۷)

محمد بن سیرین نے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ: ابو بکر کی خلافت کے زمانہ میں (حضرت) علی علیہ السلام خانہ نشین ہو گئے اور قرآن کو جمع کرنے لگے۔ نیز کہتا ہے کہ: میں نے عکرمہ سے پوچھا: کیا اس قرآن کی ترتیب و نظم، بقیہ قرآن کی طرح تھی؟ کیا اس قرآن میں نزول آیات کی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا تھا؟ اس نے جواب دیا: اگر جن وانس مل کر بھی علی علیہ السلام کے اس قرآن کی طرح قرآن جمع کرتے تب بھی ان کے لئے یہ کام ممکن نہ تھا۔ ابن سیرین کہتا ہے کہ: میں نے بہت کوشش کی کہ حضرت علی علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن کو حاصل کروں مگر میں کامیاب نہیں ہوا۔ (الفہرست، ص ۴۸/۴۷) اسی طرح ابن جزی کلبی کا بیان ہے کہ: اگر حضرت علی علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن مل جاتا تو اس سے بے پناہ علم وحکمت حاصل ہوتے۔ (التسہیل لعلوم التنزیل، ج ۱، ص ۴ والتمہید، ج ۱)

قرآن کے خصوصیات

حضرت علی علیہ السلام نے جس قرآن کو جمع کیا تھا اس میں متعدد خصوصیات تھیں جو بقیہ قرآنوں میں نہیں پائی جاتیں۔

۱. اس قرآن میں آیتوں اور سوروں کو ان کے نزول کے مطابق ترتیب وار رکھا گیا تھا۔ اسی طرح مکی آیات

کو مدنی آیات سے پہلے لکھا گیا تھا۔ اسی وجہ سے اس قرآن کو پڑھنے والے آیات کے تاریخی مراحل کو بخوبی سمجھ سکتے تھے یہی سبب ہے کہ اس قرآن کے ذریعہ احکام شریعت کی درجہ بندی نیز ناسخ ومنسوخ کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا تھا۔

۲. اس قرآن میں تمام آیات کی قرأت کو رسالت مآبصلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت کے مطابق لکھا گیا تھا کیونکہ یہی قرأت سب سے صحیح اور اصلی تھی۔ اس قرأت میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں تھی۔ اس اعتبار سے اس قرآن کے ذریعہ مطالب کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ صحیح تفسیر تک رسائی بھی ایک آسان امر تھا۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو خاصی اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ بسا اوقات قرأت کا اختلاف بعض مفسرین کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے لیکن اس قرآن میں ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

۳. اس قرآن میں تنزیل اور تأویل دونوں کا تذکرہ تھا۔ تنزیل سے مراد یہ ہے کہ اس قرآن میں آیتوں اور سوروں کی مناسبت اوران کے اسباب نزول کا بھی ذکر تھا۔ لیکن یہ سب اس قرآن کے حاشیہ پر تھا یہ حواشی، قرآن مجید کے مفہوم کو سمجھنے اور شبہات کو دور کرنے کا بہترین ذریعہ تھے۔ اسی طرح اس قرآن میں تنزیل کے ساتھ تأویل کا بھی ذکر تھا۔ یہ تأویلیں اجمالی طور پر خاص مواقع پر نازل ہونے والی آیتوں کی شرح کے طور پر حاشیہ پر تحریر کی گئی تھیں۔ ان کے ذریعہ آیات کو سمجھنے میں مزید آسانی ہوتی حضرت علی علیہ السلام نے خود اس سلسلے میں فرمایا تھا:

''ولقد جئتم بالکتاب مشتملاً علیالتنزیل والتاویل'' (الاء الرحمٰن، ج۱، ص ۲۵۷)

(میں ایسا قرآن (جمع کر کے) لایا تھا جس میں تنزیل اور تاویل کا ذکر بھی شامل تھا)

اسی طرح فرمایا تھا:

''کوئی بھی آیت پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل نہیں ہوئی سوا یہ کہ آپ نے میرے لئے اس کو پڑھا اور مجھ سے اسے لکھنے کے لئے کہا اور میں اسے قید تحریر میں لایا''۔

اسی طرح ہر آیت کے سلسلے میں تفسیر و تاویل، ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ وغیرہ کو بھی میرے لئے بیان فرمایا اور میرے حق میں دعا فرمائی کہ خدا مجھے قرآن کو سمجھنے اور محفوظ رکھنے کی قوت عطا فرمائے۔ اس دن سے

آج تک میں کوئی بھی آیت نہیں بھولا ہوں اور کوئی بھی علم یا حکمت جو مجھے تعلیم فرمائی ہے اسے فراموش نہیں کیا ہے (تفسیر برہان، ج۱، ص۱۶ شمارہ ۱۴)

اس بنا پر اگر پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اس قرآن سے استفادہ کیا جاتا ہے جس میں شرح، تفسیر اور تاویل آیات بھی شامل تھیں تو دور حاضر کی قرآن فہمی سے متعلق اکثر مشکلات دور ہو جاتیں۔

(اس سلسلے میں مزید وضاحت کے لئے تاریخ یعقوبی، ج۳، ص۱۱۳ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے) ۔

حضرت علی علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن کے ساتھ کیا ہوا؟

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے خاص صحابی سلیم بن قیس ہلالی (متوفی ۹۰ھ قمری) نے جناب سلمان محمدی سے نقل کیا ہے کہ:

''جب حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں کی بے رخی کا مشاہدہ کیا تو خانہ نشین ہو گئے اور اس وقت تک گھر سے باہر تشریف نہیں لائے جب تک قرآن مجید کو پوری طرح جمع نہیں کر لیا۔ آپ کے جمع کرنے سے قبل یہ کتاب الٰہی، کاغذ کے ٹکڑوں، باریک لکڑیوں اور پتوں پر لکھی ہوئی تھی اور منتشر تھی''۔

حضرت علی علیہ السلام نے اسکو مکمل کر لینے کے بعد (یعقوبی کی روایت کے مطابق) اس کو اونٹ پر حمل کیا اور مسجد میں لے کر آئے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب لوگ ابو بکر کے چاروں طرف جمع تھے۔ آپ نے ان سب سے کہا:

''پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد سے اب تک اس قرآن کو جمع کرنے میں تھا۔ اب اس کپڑے پر میں نے وہ سب جمع کر کے لکھ دیا ہے جو پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جسے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے نہ پڑھا ہو اور اس کی تفسیر و تاویل بیان نہ کی ہو۔ کل کو یہ نہ کہنا کہ میں اس سے غافل رہ گیا تھا''۔

اس وقت کسی سردار قبیلہ نے کھڑے ہو کر کہا آپ جو قرآن لے کر آئے ہیں اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: پھر آج کے بعد اس قرآن کو ہر گز نہ دیکھ سکو گے یہ کہہ کر آپ بیت الشرف تشریف لے آئے اور اسکے بعد کسی نے اس قرآن کو نہیں دیکھا۔ (السقیفۃ، ص ۸۲)

جب خلیفہ سوم کے دور خلافت میں اصحاب و انصار کے درمیان قرآن کے نسخوں سے متعلق شدید اختلاف پیدا ہوا تو طلحہ بن عبداللہ نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے کہا کہ: آپ کو یاد ہے کہ ایک دن آپ نے اپنا جمع کردہ قرآن لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا لیکن لوگوں نے قبول نہیں کیا تھا۔ کیا اچھا ہوتا کہ آج آپ اسکو دوبارہ لے آتے شاید اس سے یہ اختلافات ختم ہو جاتے حضرت علیہ السلام نے جواب نہیں دیا طلحہ نے پھر اپنی بات دہرائی تو حضرت علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے عمداً تمہاری بات کا جواب نہیں دیا تھا" پھر طلحہ سے پوچھا: کیا جو قرآن لوگوں کے پاس ہے وہ پورا قرآن ہے یا اس میں کچھ اضافہ بھی ہو گیا ہے۔ طلحہ نے کہا: وہ قرآن پورا ہے۔ حضرت نے فرمایا: جب ایسا ہے تو اسکو لے لو اور عمل کرو۔ اس طرح تم سب فلاح و نجات پا جاؤ گے۔ طلحہ نے کہا: اگر آپ فرما رہے ہیں تو بس ٹھیک ہے پھر وہ کچھ نہیں بولا۔ (السقیفۃ، ص ۱۲۴)

حضرت نے اس طرح اسلام کی وحدت اور قرآن مجید کی صلابت کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچا لیا۔

قرآن میں علی علیہ السلام کا نام تھا یا نہیں؟

بعض روایات سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا نام قرآن میں آیا ہے۔ اور ان روایات کو صحیح ماننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ موجودہ قرآن تحریف شدہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے مراد وہ اضافات ہیں جو تفسیر مزجی کی صورت بعض آیات کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ائمہ طاہرین علیہم السلام کی طرف سے بیان ہوئے ہیں۔ یا اس سے مراد "تنزیل غیر قرآنی" (حدیث قدسی) ہے۔ یعنی خدائے متعال کا وہ کلام جو جبرئیل امین علیہ السلام لے کر آئے لیکن جزو قرآن نہیں ہے۔ چونکہ "تنزیل" کبھی خود قرآن ہے کبھی تفسیر قرآن ہے اور کبھی حدیث قدسی۔ قرآن کے اندر نام علی علیہ السلام نہ آنے کے بارے میں مندرجہ ذیل امور پیش کیے جا سکتے ہیں۔

ا۔ امام صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت میں اس بات پر دلیل دی گئی ہے کہ حضرت علیہ علیہ السلام کا نام قرآن میں کیوں نہیں آیا؟ آپ نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ "ان (مخالفین) سے کہو کہ نماز کا حکم قرآن میں موجود ہے لیکن نماز کی رکعتوں کی تعداد قرآن بیان نہیں کی گئی ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو نماز کی رکعتوں کی تعداد بتاتے ہیں اور آیت صلاہ کی تفسیر کرتے ہیں" (الکافی ج/اص/۲۲۶، ۲۶۷، الوافی ج/۲ص/ ۶۳) اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ امام علی علیہ السلام کے نام کا قرآن میں ذکر نہ ہونا مسلمات میں سے تھا۔

۲۔۔امام باقر علیہ السلام نے محمد بن مسلم سے فرمایا: "اے محمد! اگر تم سنو کہ خدا نے قرآن میں اس امت کے کسی فرد کی نیکی کے ساتھ یاد کیا ہے تو مقصود ہم ہیں۔ اور اگر دیکھو کہ کسی گروہ کو برائی کے ساتھ یاد کیا ہے تو اس سے ہمارے دشمن مراد ہیں" (الوافی ج/۵ص/۲۷۲، تفسیر البرہان ج/اص/۲۱، ۲۲. تفسیر عیاشی ج/۱ ص/ ۱۳، تفسیر صافی ج/اص/۱۴، ۱۵) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام اور ان کے دشمنوں کے صفات قرآن میں آئے ہیں نہ کہ ان کے نام۔

۳۔۔ محمد بن بن فضیل ابوالحسن الماضی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ "انا لما سمعنا الھدیٰ آمنا بہ" کس معنی میں ہے تو امام علیہ السلام نے فرمایا: الھدیٰ یعنی ولایت "آمنا بمولینا فمن آمن بولایۃ مولاہ فلا یخاف بخسا ولا رھقا" میں نے پوچھا کہ کیا یہ قرأت نص قرآن اور تنزیل ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ تاویل ہے۔

علم نحو کی ایجاد اور قرآن کی اعراب گذاری

علم نحو ایسا علم ہے جس کے بغیر قرآن کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ قرآن اور حدیث کو سمجھنے کے لئے خود عرب زبان کو بھی علم نحو کی تعلیم دی جاتی ہے۔اس علم کے ایجاد کے بارے میں تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ اما علی علیہ السلام نے علم نحو کی تاسیس کی اور پھر ابو الاسود دویلی کو اس کی تعلیم دی۔ (بقات ترجمہ ابی الاسود ص/ ۱۳ الفہرست للتنذیم طبعہ جدید ص/ ۴۵) ابوالاسود دویلی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کسی گہری سوچ میں غرق ہیں میں نے اس کا سبب پوچھا آپ نے کہا کہ تمھارے شہر کے (غیر عرب) لوگ قرآن کو غلط پڑھتے ہیں اس لئے میں عربی زبان کے اصول کو غیر عرب کے لئے لکھنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میں نے کہا اگر آپ ایسا کریں تو یقینا عربی زبان ہم میں محفوظ ہو

جائے گی۔ پھر کچھ دنوں بعد میں دوبارہ مولا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے میری طرف ایک صحیفہ بڑھایا جس میں تحریر تھا:

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الکلام کلہ اسم و فعل و حرف فالاسم ما انبأ عن المسمیٰ والفعل ما انبأ عن حرکۃ المسمی والحرف ماانبأ عن معنی لیس باسم ولا فعل " آپ نے مجھ سے کہا کہ تم اس کام کو آگے بڑھاؤ اور رجان لو کہ ,, الاسماء ثلاثۃ ظاہر و مضمر و شی، لیس بظاہر ولا مضمر وانما یتفاضل العلماء فی معرفۃ مالیس بمضمر ولا ظاہر " اس کے بعد میں نے ذکر نہیں کیا تھا آپ نے پوچھا کہ تم نے " لکن " کو کیوں نہیں ذکر کیا میں نے کہا کہ اسے میں نے نواصب میں سے نہیں سمجھا آپ نے فرمایا کہ یہ نواصب میں سے ہے اس لئے اسے بھی ان میں بڑھالو۔

اس کے بعد ایک دن جب ابوالاسود دویلی نے ایک شخص کو اس طرح قرآن پڑھتے دیکھا " ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ " (رسولہ لام کو زیر کے ساتھ) تو انھوں نے قرآن کے حروف پر اعراب لگائے اس طرح سے کہ زبر کی جگہ حرف کے اوپر ایک نقطہ زیر کی جگہ حرف کے نیچے ایک نقطہ اور پیش کی جگہ حرف کے سامنے ایک نقطہ لگایا تاکہ قرآن پڑھنے میں آسانی ہو۔ (تاریخ ابن عساکر ترجمہ ابی الاسود الدویلی)

حضرت علی علیہ السلام کی تفسیری روایات

عقائد سے متعلق آیات

اسلام میں داخل ہونے کے لئے پختہ یقین کے ساتھ اللہ کی واحدانیت، اس کے رسول کی رسالت اور آسمانی کتب اور فرشتوں، دوزخ، جنت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ درج ذیل آیت کی تفسیر میں حضرت علی فرماتے ہیں:

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا
أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ
(البقرہ/۷۶)

”اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے
اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں تم

کیوں کہ دیتے ہو ان سے جو ظاہر کیا اللہ نے تم پر تا کہ جھٹلائیں تم کو اس سے تمھارے رب کے آگے کیا تم نہیں سمجھتے"۔

حدثنی المثنی قال، حدثنا ابو حذیفۃ قال، حدثنا شبل، عن ابن ابی نجیح، عن مجاہد مثلہ _ إلا انہ قال: ہذا، حین ارسل إلیہم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وآذوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: اخسئوا یا إخوۃ القردۃ والخنازیر" (طبری، جلد ۲، ص ۲۵۲، حدیث ۱۳۴۶)

"مجھ سے مثنیٰ نے بیان اُنہوں نے کہا ہم سے ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم سے شبل نے ابن ابی نجیح سے بیان کیا انہوں نے قتادہ سے اسی طرح سوائے یہ انہوں نے کہا کہ جب ان کی طرف علی بن ابی طالب علیہ السلام کو بھیجا گیا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے بندر اور خنزیر کے بھائیو ذلیل اور رسوا ہو"

تحقیقی جائزہ:

درج بالا روایت جو حضرت مجاہد سے مروی ہے اس روایت میں حضرت مثنی کا ذکر ہے مگر یہاں امام طبری اکثری جس متنی سے روایات لیتے ہیں وہ مثنی بن دینار ہے اور انہوں نے تبع تابعین سے بہت سی روایات لی ہیں ابن حضر عسقلانی نے ان کو "لین الحدیث" کہا ہے۔ (رواۃ التھذیبین، مکتبہ شاملہ سافٹ کاپی، نمبر ۶۴۸۸)

نماز سے متعلق حضرت علی علیہ السلام کی مرویات:

نماز اسلام کے بنیادی ارکان میں سے دوسرے نمبر پر ہے سورۃ بقرہ میں متعدد مقامات پر نماز کے احکامات کو بیان کیا گیا ہے

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ

(البقرہ/۲۳۸)

"خبردار ہو سب نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے اور کھڑے
رہو اللہ کے آگے ادب سے"۔

نماز سے متعلق مرویات

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ تمام نمازوں کی حفاظت کرو خصوصی طور پر وسطی نماز کی حفاظت کرو اس سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام نے وسطی نماز کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ درمیان نمازی، نماز عصر ہے

حدثت عن عمار قال، حدثنا ابن ابی جعفر، عن ابیہ، عن الربیع قال: ذکر لنا عن علی بن ابی طالب انہ قال: الصلاۃ الوسطی صلاۃ العصر۔ (طبری، جلد۵، ص۱۷۹، حدیث ۵۴۲۳)

ابن عمر نے کہا: ابن ابی جعفر نے ہمارے والد کے بارے میں موسم بہار کے بارے میں بتایا. اس نے کہا: اس نے ہمیں علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں بتایا کہ "درمیانی نماز"

حدثنا ابن بشار قال، حدثنا عبد الرحمٰن قال، حدثنا سفیان، عن عاصم، عن زر قال: قلتّ لعبیدۃ السلمانی: سل علی بن ابی طالب عن الصلاۃ الوسطی. فسألہ، فقال: کنا نراہا الصبح او الفجر حتی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یوم الأحزاب: شغلونا عن الصلاۃ الوسطی صلاۃ العصر! ملأ اللہ قبورہم واجوافہم نارا" (طبری، جلد۵، ص۱۸۴)

ہمیں بشیر کا بیٹا بتاو، ہمیں بتایا کہ عبد الرحمٰن نے ہمیں صوفیان، عاصم سے کہا، بٹن نے کہا: میں نے ابیدا سالمانی سے کہا: مرکزی نماز کے لئے سالہ بن ابی طالب. چنانچہ اس نے ان سے پوچھا: "ہم نے صبح کی نماز یا صبح کی صبح دیکھا، جب تک میں جماعت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض نہیں کیا: " ہمارا عصر

نماز کے درمیانی نماز سے دعا کرو! "

حج سے متعلق مرویات:

حج ایک اہم فریضہ ہے حج کے آغاز کعبۃ اللہ سے ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبہ کو تفسیر کہا تو آپ نے دعا مانگی۔ ارشاد ربانی ملاحظہ ہو۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (البقرہ/۱۲۵)

"اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کو اس واسطے اور جگہ امن کی، اور بناو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ اور حکم کیا ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو کہ پاک رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والون کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے "

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرہ/۱۲۷)

"اور یاد کرو جب اُٹھاتے تھے ابراہیم علیہ السلام بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسماعیل علیہ السلام دُعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے،

قال: وحدّثنا عن علی بن ابی طالب: ان ابراہیم اقبل من ارہبیۃ معہ السکیبۃ، تدلہ علی تبوئ البیت، کما تتبوا العنکبوت بیتھا قال، فرفعت عن احجار تطیقہ -او لا تطیقہ _ ثلاثون رجلا قال، قلّت: یا ابا محمد فان اللہ یقول: واذ یرفع ابراہیم القواعد من البیت قال، کان ذاک

بعد.

(طبری، جلد۳، ص۶۳، حدیث ۲۰۵۰)

سعید نے کہا ہمیں علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ذریعے بتایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آرمینیہ سے سکون کے ساتھ آئے یہ اس بات کی دلیل ہے انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کی جیسا کہ مکڑی اپنا گھر تعمیر کرتی ہے اور فرمایا کہ یہ پتھروں کے ذریعے کھڑا کیا گیا جس کو تیس آدمی اُٹھاتے تھے (یا تیس آدمی بھی نہیں اٹھا سکتے تھے) کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے ابو محمد اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اور جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے"۔

تحقیقی جائزہ:

حضرت علی علیہ السلام سے خانہ کعبہ کی تعمیر کے متعلق جو روایت بیان کی گئی ہے اس میں ایک تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آرمینہ کی طرف سے آئے۔آرمینہ سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ پتھر اٹھا کر آتے تھے وہ آرمینہ کی طرف سے اٹھا کر لاتے تھے اور اتنے بھاری پتھر تھے تیس آدمی بھی نہیں اٹھا سکتے تھے پھر درج بالا حدیث میں مکڑی کی تعبیر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح مکڑی اپنے لئے جالا بناتی ہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا گھر بنایا ہے۔

آج بھی عبادت کے لئے مسجد کا ہونا بہت ہی ضروری ہے اور مسجد کی تعمیر کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت میں سے ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں یہ بھی فرمایا ہے۔قرآن مجید کی آیت سورہ بقرہ کی ملاحظہ ہو۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرہ: ۱۲۸)

"اے پروردگار اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان"

حدثنا الحسن بن یحییٰ قال، اِخبرنا عبد الرزاق قال، اِخبرنا ابن جریج قال، قال ابن المسیب: قال علی بن اِبی طالب: لما فرغ إبراہیم من بناء البیت، قال: فعلت اِی رب، فأرنا مناسکنا -اِبرزہا لنا،علمناہا _ فبعث اللہ جبریل، فحج بہ. (طبری، ج۳، ص۷۹، حدیث ۲۰۶۹)

"ہم سے حسن بن یحییٰ نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہمیں عبدالرزاق نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں ابن جریج نے بتایا انہوں نے کہا کہ ابن المسیب نے کہا کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: "جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو فرمایا" اے میرے رب میں نے (بیت اللہ کی تعمیر مکمل) کر لی اب ہم کو ہمارے مناسک سکھا" یعنی ہمارے لئے واضح کریا ہم ہمیں سکھا تب اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو بھیجا تو ان کے ساتھ حج کیا"۔

تحقیقی جائزہ:

امام طبری نے حضرت علی علیہ السلام کی جو روایت ذکر کی ہے یہ حضرت علی علیہ السلام کا اپنا ارشاد ہے۔ اس میں حضرت علی علیہ السلام نے فارنا کی تفسیر کی ہے اس سے مراد مناسکر حج کا علم ہے اللہ تعالیٰ نے مناسک حج کی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعلیم دی تھی۔

مذکورہ حدیث امام عبدالرزاق نے مصنف عبدالرزاق میں بھی نقل کیا ہے۔ (الصغانی، ج۵، ص۹۵)

درج بالا حدیث میں حضرت علی علیہ السلام نے مناسک حج کی اہمیت کو بیان کیا ہے اور حدیث میں قرآن کی آیت کی تشریح کر دی گئی ہے کہ فارتا سے مراد مناسک ہے لہٰذا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حج کرنے سے قبل مناسک حج ضرور سیکھے۔

روزہ سے متعلق آیات

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (البقرہ: ۱۸۵)

''مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی، سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو روزہ رکھے اس کے اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس کی گنتی پوری کرنی چاہیے اور دونوں سے اللہ چاہتا ہے تم پر اسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تا کہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تا کہ تم احسان مانو''

مذکورہ آیت کے ماتحت حضرت علی علیہ السلام سے امام طبری نے دو روایات ذکر کی ہیں۔

حدثنا هناد قال، حدثنا عبد الرحيم، عن عبد الرحمٰن بن عتبة، عن الحسن بن سعد، عن ابيه قال:

كنت مع عليّ بن ابي طالب وهو جاءٍ من ارض له، فصام، وامرني فأفطرت، فدخل المدينة ليلاً وكان راكبًا وانا ماشٍ۔ (طبری، ج ۳، ص ۴۵۳، حدیث ۲۸۴۲)

حدثنا ابن حميد قال، حدثنا جرير، عن منصور، عن ابي

إسحاق، عن ابي السفر، قال: صلى عليٌّ بن ابي طالب الفجرَ، ثم قال: ہذا حين يتبيَّن الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر

(طبری، ج ۳، ص ۵۲۴، حدیث ۳۰۱۰)

"حسن بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ آپ ایک سفر سے واپس آئے پس آپ نے روزہ رکھا اور مجھے افطار کا حکم دیا پس ہم رات کو مدینہ میں داخل ہوئے آپ اونٹ پر سوار تھے اور میں پیدل چل رہا تھا"۔

واما قول ابي الفيض ہنا: كان على علينا إميرا بالشأم

فلا إدرى ما ہو وإنما اليقين إنہ لا يريہ بہ على بن ابي طالب، إذ لم يكن ذلك قط. ولعلہ كان لہم إمير بالشأم يدعى عليا.

ويحتمل إن يكون ما ہنا فيہ تحريف، وإن يكون صوابہ كان علينا إمير بالشأم، فنہانا. "

(طبری، ج ۳، ص ۴۶۷)

"اس بات کا بھی احتمال ہے حضرت علی علیہ السلام شام میں امیر ہوں وہاں احادیث میں تحریف ہوتی تھی لیکن درست بات یہ ہے کہ آپ شام میں امیر تھے اور آپ نے منع کر دیا تھا روزہ افطار کرنے سے"۔

تحقیقی جائزہ:

درج بالا روایت آج بھی علماء اہل سنت اور علماء شیعہ کے درمیان محل نزاع ہے کیونکہ شیعہ حضرات کا جو موقف ہے وہ یہ ہے کہ انسان سفر کی حالت میں جب ہو تو روزہ افطار کر سکتا ہے جبکہ اہل سنت کے نزدیک

افطار کا مطلب یہ ہے کہ اس دن مکمل روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ اگر کسی نے اس دن روزہ رکھ لیا اور سفر پر ہے تو وہ روزہ نہ چھوڑے جیسا کہ مذکورہ روایت میں حضرت علی علیہ السلام کا مثل ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فَاِذَا اَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ (البقرہ: ۱۹۸)

''کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا پھر جب طواف کے لئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعرالحرام کے اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھلایا اور بے شک تم تھے اس سے پہلے ناواقف''

حدثنا الحسن بن یحییٰ، قال: اخبرنا عبد الرزاق، قال: اخبرنا ابن جریج، قال:

قال ابن المسیب: قال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

بعث اللہ جبریل إلی إبراہیم فحج بہ، فلما اتی عرفۃ قال قد عرفت! وکان قد اتاہا مرۃ قبل ذلک، ولذلک سمیت عرفۃ (طبری، ج ۴، ص ۳۷، حدیث ۳۷۹۴)

''امام حسن بن یحییٰ نے ہم سے کہا: اس نے ہم سے کہا، عبد الرازق، اس نے کہا: ابن غریج نے ہم سے کہا: ابن مجیب نے کہا: علی بن ابی طالب علیہ السلام نے کہا: ، حضرت ابراہیم علیہ السلام جب عرفہ کے مقام پر آئے تو انہوں نے عرفہ کو پہچان لیا اس وجہ اس کو عرفہ کہا جاتا ہے اور وہ ایک بار اس کے پاس آئے، لہٰذا اسے "عرفہ" کہا جاتا تھا''۔

معاملات سے متعلق حضرت علی علیہ السلام کی سورہ بقرہ میں روایات

اسلامی احکام میں عبادات کے بعد معاملات کو بہت ہی عمل دخل ہے۔ معاملات سے مراد وہ احکام میں جن کا ہماری زندگی اور رہن سہن کے ساتھ بہت ہی قریبی دخل ہے۔

قصاص سے متعلق روایات

اسلام نے نظام معاشرت میں توازن اور انصاف کے لیے قصاص تعیز جیسے سخت قوانین کو لاگو کیا۔ قصاص اصل میں انتقام کا نام نہیں ہے۔ بلکہ انصاف اور ظالم کو قانون کی گرفت میں لاکر آنے والے لوگوں کے لیے نشان عبرت بنانا ہے تاکہ کوئی آئندہ ایسی حرکت نہ کرسکے۔

یَاأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلَی الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَی بِالْأُنْثَی فَمَنْ عُفِیَ لَہُ مِنْ أَخِیہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَیْہِ بِإِحْسَانٍ ذَلِکَ تَخْفِیفٌ مِنْ رَبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ فَمَنِ اعْتَدَی بَعْدَ ذَلِکَ فَلَہُ عَذَابٌ أَلِیمٌ (البقرہ: ۱۷۸)

”اے ایمان والو فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیے موافق دستور کے اور ادا کرنا چاہیے اس کو خوبی کے ساتھ یہ آسانی ہوئی تمھارے رب کی طرف سے اور مہربانی پھر جو زیادتی کرے اس فیصلے کے بعد تو اس کے لئے ہی عذاب دردناک“۔

حدثنعنعمار بنالحسنقال، حدثناابنأبیجعفر، عنأبیہ، عنالربیعقولہ: یاایہاالذینآمنوا کتبعلیکمالقصاصفیالقتلیالحر بالحر والعبدُ بالعبد والأنثیبالأنثی قال، حُدِّثناعنعلیبنأبیطالبأنہ کان یقول: إیما حُرّ قتل عبداً فھو قَوَدٌ بہ، فإن شاء موالی العبد إن یقتلوا الحر قتلوہ، وقاصُّوھم بثمن العبد من دیۃ الحرّ، وإدّوا إلی إولیاء الحرّ بقیۃ دیتہ. وإن عبدٌ قتل حرّاً فھو

بہ قَوَدٌ، فإن شاء اولیاء الحرّ قتلوا العبد و قاصّوہم بثمن العبد، واخذوا بقیۃ دیۃ الحرّ، وإن شاء وا اخذوا الدیۃ کلہا واستحیوُا العبد. وایُّ حرّ قتل امراۃ فہو بہا قَوَدٌ، فإن شاء اولیاء المراۃ قتلوہ وادّوا نصفَ الدیۃ إلی اولیاء الحرّ. وإن امراۃ قتلتْ حُرًّا فہی بہ قَوَدٌ، فإن شاء اولیاء الحر قتلوہا واخذوا نصف الدیۃ، وإن شاء وا اخذوا الدیۃ کلہا واستحیوہا، وإن شَاء وا عفوُا

(طبری، ج۳، ص۳۶۱، حدیث ۲۵۶۸)

”میں نے عمار بن حسن سے بیان کیا کہا ہم سے ابن ابی جعفر نے اپنے والد سے بیان کیا انہوں نے ربیع سے اللہ کے اس فرمان کے بارے میں " اے ایمان والو فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت" کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ذریعے سے بیان کیا گیا کہ وہ فرماتے تھے جس آزاد نے غلام کو قتل کیا اس میں بدلہ ہے اگر غلام کے موالی اس آزاد کو قتل کرنا چاہیں تو وہ قتل کر سکتے ہیں اور اگر وہ دیت میں غلام کی قیمت جتنا قصاص لینا چاہیں تو (لے لیں) اور بقیہ دیت وہ آزاد کے اولیاء (گھر والوں / ورثاء) کو واپس کر دیں۔ اور اگر کوئی غلام کسے آزاد کو قتل کرے تو اس میں بھی بدلہ ہے اگر آزاد کے گھر والے چاہیں تو غلام کو قتل کر دیں اور اس کی قیمت کا بدلہ دیں اور آزاد کی بقیہ دیت وصول کر لیں اور اگر وہ چاہیں تو مقتول کی پوری دیت لے کر غلام کو زندہ رہنے دیں اور جو آزاد مرد کسی عورت کو قتل کرے تو اس میں بھی بدلہ ہے اگر عورت کے گھر والے چاہیں تو اس مرد کو قتل کر کے اس کی نصف دیت اس مرد کے گھر والوں کو ادا کر دیں اور اگر کوئی عورت کسے مرد کو قتل

کرے دے تو اس میں بھی قصاص ہے اگر مرد کے گھر والے یا
ورثاء چاہیں تو اس عورت کو قتل کر کے نصف دیت لے لیں اور
اگر وہ چاہیں تو پوری دیت لے کر اس عورت کو زندہ رہنے دیں
اور اگر وہ چاہیں تو معاف کر دیں"۔

تحقیقی جائزہ:

مذکورہ آیت میں قصاص کا ذکر ہے۔ قصاص میں اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو قتل کرتا ہے تو بدلہ میں قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا۔ اسلامی احکامات میں آزاد اور غلام شخص کے احکامات الگ الگ ہیں مگر جب قصاص کا معاملہ ہے تو اس کے متعلق حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہاں غلام اور آزاد شخص میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر ایک غلام آزاد کو قتل ہے تو آزاد کے ورثا غلام کے موالی سے قصاص طلب کر سکتے ہیں اور اگر ایک آزاد غلام کو قتل کرتا ہے تو غلام کے موالی آزاد شخص سے قصاص کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

لہٰذا حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی اس حدیث کی مطابقت عملی طور پر نظر آتی ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
(البقرہ: ۱۷۹)

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا
الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ
(البقرہ: ۱۸۰)

اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے، اے عقلمندو!
تاکہ تم بچے رہو، فرض کیا گیا تم پر جب حاضر ہو کر کسی کو تم میں
موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے
اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیز
گاروں پر۔

تحقیقی جائزہ:

اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں مسلمانوں کو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ موت کے وقت کوئی وصیت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ مگر شریعت اسلامی مرنے والے شخص کی وصیت ثلث مال میں جاری کی جائے گی۔ مذکورہ روایت میں حضرت عروہ نے حضرت علی علیہ السلام کا عمل ذکر کیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے جب اپنے چچا کے بیٹے کے پاس گئے تو انہوں نے وصیت کرنا چاہی مگر حضرت علی علیہ السلام نے انہیں روک دیا کہ تیرے پاس مال کم ہے۔ اس وجہ سے مجھ سے زیادہ حقدار شہری اولاد و خاندان ہے۔

طلاق سے متعلق حضرت علی علیہ السلام کی مرویات

نکاح مرد اور بیوی کے رشتہ کو جوڑنے کا نام ہے جبکہ طلاق کسی مجبوری کی حالت میں ایک دوسرے سے جدا ہونے کا نام ہے۔ قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (البقرہ: ۲۲۸)

"اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر اور ان کے خاوند حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر چاہیں سلوک سے رہنا، اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا اُن پر حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے، اور اللہ زبردست ہے تدبیر والا"

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (البقرہ:

(۲۳۴

اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں
تو چاہیے کہ وہ عورتیں انتظار رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس
دن، اور پھر جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں
اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدے کے موافق اور
اللہ کو تمھارے تمام کاموں کی خبر ہے،

تحقیقی جائزہ:

مذکورہ آیت کو امام طبری نے حنفی اور شافعی فقہاء کے مشہور نزاعی مسئلہ کے ماتحت ذکر کیا ہے۔ احناف کے نزدیک عورت کی عدت تین طہر ہے۔ جبکہ شافع کے نزدیک تین حیض ہے یہاں حضرت علی علیہ السلام کی تمام روایات امام طبری شافعی نقطہ نظر کے مطابق ذکر کر رہے ہیں کہ عدت تین حیض ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا
فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (البقرہ:
۲۳۴)

"اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی
عورتیں تو چاہیے کہ وہ عورتیں انتظار رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے
اور دس دن، اور پھر جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ
نہیں اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدے کے موافق
اور اللہ کو تمھارے تمام کاموں کی خبر ہے"

متفرق مضامین والی آیات میں حضرت علی کی مرویات

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ
أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ

بِالْكَافِرِينَ (البقرہ: ١٩)

یا ان کی مثال ایسی ہی جیسے زور سے مینہ پڑ رہا ہو آسمان سے اس میں اندھیری ہیں اور گرج اور بجلی دیتے ہیں انگلیاں اپنے کانوں میں مارے موت کے ڈر سے اور اللہ احاطہ کرنے والا ہی کافروں کا۔

مذکورہ آیت کے ماتحت امام طبری نے رعد کی تفسیر میں حضرت علی علیہ السلام سے دو روایات ذکر کی ہیں۔

وحدثني المثنى، قال: حدثنا الحجاج بن المنهال، قال: حدثنا حماد بن سلمة، عن المغيرة بن سالم، عن ابيه،او غيره، ان علي بن ابي طالب قال: الرعد: ملك. (طبری، ج۱، ص ۳۴۳، حدیث ۴۳۳)

مثنیٰ نے مجھ سے بیان کیا کہتے ہیں کہ حجاج بن منہال نے ہم سے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے حماد بن سلمیٰ نے بیان کیا مغیرہ بن سالم سے انہوں نے اپنے والد یا کسی اور سے کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ "الرعد" کا مطلب/مُراد فرشتہ ہے

وحدثني المثنى، قال: حدثنا الحجاج، قال:

حدثنا حماد، عن المغيرة بن سالم، عن ابيه،او غيره،ان علي بن ابي طالب قال:

الرَّعد الملک، والبرق ضَربه السحابَ بمخراق من حديد

(طبری، ج۱، ص ۳۴۳، حدیث ۴۴۱)

مثنیٰ نے مجھ سے بیان کیا کہتے ہیں کہ حجاج بن منہال نے ہم سے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے حماد بن سلمیٰ نے بیان کیا مغیرہ بن سالم سے انہوں نے اپنے والد یا کسی اور سے کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا کہ "الرعد" کا مطلب/مُراد فرشتہ ہے، اور

بجلی سے مُراد بادل کو لوہے کی سلاخ سے ضرب لگانا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (البقرہ: ۲۰۳)

" اور یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دِنوں میں پھر کوئی جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بے شک تم سب اسی کے پاس جمع ہو گے "

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے کہا ہے کہ یہاں إفلاثم سے مراد غفرلہ کہ وہ بخش دیا گیا ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے گناہوں سے بیزاری مراد ہے۔

آج بھی تمام مسلمان ایام معدورات میں ذکر کرتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کی تفسیر کے مطابق تمام لوگ بخشے جائیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ (البقرہ: ۲۰۷)

ترجمہ: اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی میں، اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر،

حدثنی احمد بن حازم، قال:

حدثنا ابو نعیم، حدثنا زیاد بن ابی مسلم، عن ابی الخلیل، قال:

سمع عُمر إنسانًا قرا ہذہ الآیۃ:

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ،

قال:

استرجع عُمر فقال: إنا للہ وإنا إليہ رَاجعون! قام رجلٌ يأمر بالمعروف وينهى عن المنكر فقُتل۔ (طبری، ج۴، ص۲۵۰، حدیث ۴۰۰۷)

قال ابو جعفر:

والذی ہو اولی بظاہر ہذہ الآیۃ من التأویل، ما روی عن عمر بن الخطاب وعن علی بن ابی طالب وابن عباس رضی اللہ عنہم، من ان یکون عُنی بہا الأمرُ بالمعروف والناہی عن المنکر.

احمد بن حلیم نے ہمیں بتایا، "ابو نعیم نے ہمیں بتایا، "زاد بن ابی مسلم نے ابو الخیل سے ہمیں بتایا کہ "میں نے اس آیت کو پڑھ کر سنا ہے." اس نے کہا، "میں خدا ہوں اور میں وہی ہوں جو خدا کی خوشحالی کے لئے خود کی تعریف کرتا ہوں. ایک شخص جسے نیک کام کرتا ہے اور برائی سے محروم ہو جاتا ہے. ابو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یہ آیت پہلی آیت کی تاویل ہے۔ عمر بن الخطاب اور علی بن ابی طالب علیہ السلام اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب اچھا ہے اور برائی کو روکنے والا ہے۔

احادیث کا نقد:

احادیث کا نقد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ جو اپنی جان کو بیچ دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی بن مرتضیٰ علیہ السلام اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ جان کو بیچنے سے مراد نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

(البقرہ: ۲۴۸)

اور کہا بنی اسرائیل سے اُن کے نبی نے کہ طاوت کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ آدمی تمھارے پاس ایک صندوق کہ جس میں تسلیِ خاطر ہے تمھارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں اُن میں سے جو چھوڑ گئی تھی، موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی اولاد اور اٹھاویں گے اس صندوق کو فرشتے۔ بے شک اس میں پوری نشانی ہے تمھارے واسطے اگر تم یقین رکھتے ہو۔ (طبری، ج۵، ص۳۲۶)

درج بالاآیت کی تشریح میں امام طبری نے دو روایات ذکر کی ہیں۔

حدثنا عمران بن موسى قال، حدثنا عبد الوارث بن سعيد قال، حدثنا محمد بن جحادة، عن سلمة بن كهيل، عن أبي وائل، عن علي بن أبي طالب قال: السكينة، ريح هفافة لها وجه كوجه الإنسان. (طبری، ج۵، ص۳۲۶، حدیث ۵۶۶۵)

عمران بن موسی نے کہا کہ عمران بن موسی نے کہا، ہمیں عبدالهام بن سعید نے بتایا کہ محمد بن جہاد، سلمہ بن خیل سے، ابو ویل سے علی بن ابی طالب علیہ السلام نے کہا: سکینہ سے مراد ایک لکڑی کا چہرے نما جیسا ڈبہ ہے۔

حدثني يعقوب بن إبراهيم قال، حدثنا هشيم، عن العوام بن حوشب، عن سلمة بن كهيل، عن علي بن أبي طالب في قوله: فيه سكينة من ربكم، قال: ريح هفافة لها صورة وقال يعقوب في حديثه: لها وجه وقال ابن المثنى: كوجه الإنسان. (طبری، ج۵، ص۳۲۶، حدیث ۵۶۶۷)

تحقیقی جائزہ:

اگر سکینہ کا وہ معنی مراد لیا جائے جو ہم نے بیان کیا ہے تو پھر حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی روایات، حضرت مجاہد کو روایت اور وہب بن منبہ کی روایت درست قرار پائی ہیں کیونکہ یہ تمام آیات کافی ہیں جن سے نفوس کو سکون پہنچتا ہے لہٰذا سکینہ کے معنی سے واضح ہوگیا کہ آیت تابوت میں سکینہ مراد ہے جس کی طرف نفوس معرفت کے لئے جاتے ہیں۔

وإذا کان معنی السکینۃ ما وصفت، فجائز إن یکون ذلک علی ما قالہ علی بن إبی طالب علی ما روینا عنہ، وجائز إن یکون ذلک علی ما قالہ مجاہد علی ما حکینا عنہ، وجائز إن یکون ما قالہ وہب بن منبہ وما قالہ السدی، لأن کل ذلک آیات کافیات تسکن إلیہن النفوس، وتثلج بہن الصدور. وإذا کان معنی السکینۃ ما وصفنا، فقد اتضح إن الآیۃ التی کانت فی التابوت، التی کانت النفوس تسکن إلیہا لمعرفتہا بصحۃ إمرہا، إنما ہی مسماۃ بالفعل وہی غیرہ، لدلالۃ الکلام علیہ. (طبری، ج۵، ص۳۳۰)

یَاأَیُّہَا الَّذِینَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیثَ مِنْہُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِیہِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِیہِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّہَ غَنِیٌّ حَمِیدٌ (البقرہ: ۲۶۷)

ترجمہ: "تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدہ بھی لوگوں کو اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے اُن کے فائدے سے، اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دے جو بچے اپنے خرچ سے اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمھارے واسطے حکم تاکہ تم فکر کرو"

حدثنی عصام بن روّاد بن الجراح، قال: حدثنا اِبی، قال: حدثنا اِبو بکر الہذلی، عن محمد بن سیرین، عن عبیدۃ، قال: سائت علی بن اِبی طالب صلوات اللہ علیہ عن قولہ: یا اِیہا الذین آمنوا اِنفقوا من طیبات ما کسبتم قال: من الذہب والفضۃ. (طبری، ج۵، ص۵۵۶، حدیث ۶۱۲۶)

ابو بکر الحمدلی نے، ابن بن سیرین سے، ابن بکر سے، عبیدہ سے، انہوں نے کہا: میں نے علی بن ابی طالب علیہ السلام سے پوچھا، "اے ایمان لانے والو، جو تم نے حاصل کی ہے اچھا خرچ کرو. "انہوں نے کہا: سونے اور چاندی سے خرچ کرو۔

حدیث کا نقد:

قرآن نے کہا کہ طیبات میں خرچ کرو۔ اس طبیات کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ کیا مراد ہے؟ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہاں سونا اور چاندی کو خرچ کرنا چاہیے۔

عصری استناد:

عصر حاضر میں بھی غربت ہے۔ غربت کا حل آج اقوام متحدہ ودیگر ادارے بھی نہیں نکال سکے۔ کیونکہ معاشرہ سے مرمت تب ختم ہوگی۔ جب انفرادی طور پر لوگ زکوۃ اور صدقہ کا مال غریبوں میں تقسیم کریں پھر حاصل وہی نکلتا ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں ہوا کہ زکوۃ لینے والا کوئی نہیں تھا۔

منابع:

۱. قرآن کریم ;
۲. بغدادی، ابو بکر علی بن خطیب، 1422ھ - ۲۰۰۱ء، تاریخ بغداد، بیروت، دار لعرب اسلامی؛
۳. ابن ابی الحدید، ۱۹۷۱، شرح نہج البلاغہ، قم، دار لکتب العلمیہ، مرعش نجفی؛
۴. طباطبایی، سید محمد حسین، 1353، قرآن در اسلام، تہران، دار الکتب الاسلامیہ؛
۵. سجستانی، ابو بکر بن ابی داود، ۱۴۱۵ ھ، کتاب المصاحف، بیروت، لبنان، دار لبشائر السلامیہ؛
۶. سیوطی علامہ جلال الدین، 1982ء، الاتقان، لاہور، ادارہ اسلامیات؛
۷. ایازی، سید محمد علی، ۱۳۸۶، مصحف امام علی علیہ السلام، تہران، وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی؛
۸. عاملی، جعفر مرتضی، ۱۹۹2، حقائق ھامۃ حول القرآن کریم، دار الصفوۃ، لبنان، بیروت؛
۹. مازندرانی، ابن شہر آشوب، مناقبات الاابیطالب علیہ السلام، قم، المکتبۃ الحیدریہ؛
۱۰. عاملی، سید محسن الامین، ۲۰۱۸، اعیان الشیعہ، بیروت، دار لتعارف مبطوعات؛
۱۱. مجلسی، علامہ محمد باقر، ۱۹۸۰، بحار الانوار، دار الکتب الاسلامیہ، کراچی؛
۱۲. طوسی، شیخ محمد بن حسن بن علی، ۱۸۵۳، الفہرست، مشہد، چاپخانہ دانشگاہ؛
۱۳. التسھیل لعلوم التنزیل؛
۱۴. نجفی، محمد جواد البلاغی، الاء الرحمٰن فی تفسیر القرآن، لبنان، لغۃ العربیہ؛
۱۵. بحرانی، سید ہاشم، ۱۴۱۵، البرہان تفسیر القرآن، قم، مؤسستہ الاعلمی مطبوعات؛
۱۶. مظفر، علامہ محمد رضا، ۱۳۹۲، السقیفۃ، بیروت، مؤسستہ الاعلمی مطبوعات؛
۱۷. کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، قم، دار الحدیث؛
۱۸. کاشانی، محمد بن مرتضی بن محمود، ۱۳۶۵، الوافی، اصفہان، کتبۃ الإمام إمیر المؤمنین علی علیہ السلام؛
۱۹. عیاشی، محمد بن سعود إبن عیاش السلمی السمرقندی، ۱۳۸۲، تفسیر عیاشی، قم، الدراسات الاسلامیہ؛
۲۰. کاشانی، محمد بن مرتضٰی، ۲۰۰۹، تفسیر صافی، نیوجرسی امریکا، ادارہ نشر دانش؛
۲۱. إبو الأسود الدؤلی، ۲۰۱۴، دیوان إبی الأسود الدؤلی، مکتبۃ النہضۃ، شرکۃ النشر والطباعۃ العراقیۃ المحدودۃ؛

۲۲. ابوالقاسم علی بن ابی محمد الحسن بن ہبتہ اللہ، ۱۹۸۴، تاریخ مدینہ ودمشق ابن عساکر، دمشق، مکتبہ دار لفکر؛
۲۳. طبری، محمد بن جریر، تفسیر طبری، بیروت، دار لکتب العلمیہ؛
۲۴. رواۃ التھدیبین، مکتبہ شاملہ سافٹ کاپی، نمبر۶۴۸۸؛
۲۵. الصغانی، ابو بکر عبدالرزاق، المصنف، بیروت، المکتب الاسل